مارچ، بلکہ ڈبل مارچ، اور ساتھ ہی غل غپاڑہ کرنے والوں کے لیے سپاہیانِ ملّت جب ذرا اچھی طرح گرم ہوجاتے ہیں تو پھر سارا یلغار اپنی حکومت کے خلاف نکلتی ہیں، کیونکہ امریکہ اور عراق کا فیصلہ تو نہ جانے کب اور کیا ہو، یہاں جو جہاد برپا ہے اس کا تو نتیجہ فوری نکل آنا چاہیے۔ پاکستان کے قصرِ اقتدار کو تو دو روز میں فتح کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ "سلطنت نازک تر آمد از حباب"۔ سو ہمارے غازیوں کی بعض رجمنٹوں اور ان کے سپہ سالاروں کی ساری جدوجہد فی الحال اس پر صرف ہو رہی ہے کہ اپنی حکومت پہ فتح پالی جائے، ملّت کی فتح بعد میں ہوتی رہے گی۔ اور ہمارے ہاں پریس ایسا ہے کہ وہ استحکامِ ملک اور استحکامِ حکومت (جو جمہوری ہے) پر زور دینے کے بجائے اس کے خلاف گولہ باری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرکے گرمیٔ کارزار، اور اپنی گرمیٔ بازار کے اہتمام میں لگا ہوا ہے۔ بڑا نیک کام ہے۔
ذرا دیکھیے حال زار! ایک ملک کے اندر کتابِ وحدت کے اوراق بکھیر بکھیر، شیشۂ دم اخوت ریزہ ریزہ، صوبے صوبوں کے خلاف، دینی مدرسے مدرسوں کے خلاف، مولوی صاحب مولوی صاحب کے خلاف، ایڈیٹر صاحب ایڈیٹر صاحب کے خلاف، لیڈر صاحب لیڈر صاحب کے خلاف، عورتیں عورتوں کے خلاف، جلوس جلوسوں کے خلاف، نعرے نعروں کے خلاف!— اور چلے ہیں عراق سے رشتہ جوڑنے اور امریکہ کا پتہ کاٹنے! ہمارے بعض امام تو ایسے ہیں کہ انھیں مکہ کے کعبے، مدینے کے روضے سے زیادہ عزیز بڑے پیر صاحب کا مزار واقع بغداد ہے، جہاں نجانے انھیں کس نے بتایا کہ صدام گیارھویں شریف کا اہتمام کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آئندہ چندے تشکر کیا، خود امریکہ بھی گیارھویں شریف کو قومی یا سرکاری تقریب بنا دیں۔
ہم تو ہمہ تن شکست ہیں، کسی اور کو کیا فتح دلوائیں گے۔ ہم تو تمام تر افتراق کا شکار ہیں۔ گھر میں تو ایک دوسرے سے سیدھے منہ بات نہیں کرسکتے۔ کہاں ہم ملّت یا اُمّہ کے اتحاد کے علم لہراتے پھر رہے ہیں۔
اتنا فریب، اتنا دھوکہ؟ اتنے تضاد؟— کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ماشاءاللہ! ہم بڑی عظیم قوم ہیں اور ہم نے دنیا کے سامنے اسلامی تہذیب کو روشنی کا ایک مینار بنا کر کھڑا کرنے کا عہد کیا تھا، اب ذرا نصف صدی کے کارناموں پر نظر ڈال کر آج کی حالت دیکھیے۔

نظامِ امتحانات کو تہ و بالا کرنے کے لیے آپ کے ہاں جو عظیم الشان مجرمانہ کارروائی ہوتی ہے اور جس کا دائرہ بہت وسیع ہے، کیا آپ نے اس پر غور کیا۔

کیا آپ نے بسنت کی پتنگ بازی کی بہار دیکھی جس پر کروڑوں روپے اُٹھ گئے، عورتیں چھتوں پر کودتی پھریں۔ اکادکا بچے بڑے تو اس جہاد میں "شہادت" پا گئے، باقی صدہا زخموں کا ثواب سمیٹ رہے ہیں۔ ڈھول ڈھمکے کی دھنا دھن، کلاشنکوفوں کی تڑاخ پڑاخ اور لاؤڈ سپیکروں کی چیخم دھاڑ ــ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب عراق پر آگ برس رہی تھی۔

آپ کی قوم کو اس غمناک سال میں بھی توفیق نہ ہوتی کہ ہزار اپیلوں کے باوجود کم سے کم اس مرتبہ پتنگ بازی نہ ہوتی۔ جب کہ خلیج میں کویت کے بعد عراق کی پتنگیں ٹوٹی جا رہی ہیں۔ اور ہزاروں عورتوں اور بچوں کے سانس کی ڈور کٹ رہی ہے۔ ہم سے تو آزادی کے ۴۳ سے زائد سالوں میں یہ بھی نہ ہوا کہ ہندوؤں کے اس تہوار کا نام ہی بدل کر "جشنِ بہاراں" یا کچھ اور رکھ لیتے۔ اور اس کے لیے اپنے ہاں تاریخ ایک ماہ دن پہلے یا پیچھے مقرر کر لیتے۔ اس شان سے ہم نے خلیجی احوال کر بناک میں ہمدردی ظاہر کی۔

آپ کے ہاں جو شادیاں ہو رہی ہیں۔ ان میں جہیز، مہر اور بری کے شاہی اخراجات کے علاوہ مہندی کی بدعتی رسموں اور ولیمہ کی مسنون روایت کے نام سے دولت اور خوراک کی جو بربادی ہوتی ہے، نیز شامیانوں، دریوں، قالینوں، صوفوں اور لائٹوں کے لیے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں سب سمگلر یا ہیروئن کے بیوپاری رہتے ہیں، جن کے قریب تک اسلام کبھی نہیں

بھٹکا۔ جو لوگ روایتی دیندار ہیں، وہ بھی دولت کے بارے میں انفرادی ملکیت کا ایک ہی قانون جانتے ہیں۔ انہیں نہ اسراف و تبذیر کا پتہ ہے، نہ طبقہ واریت پیدا کرنے والے استعمالِ دولت اور نمائشِ دولت اور کبرِ دولت کے بارے میں کچھ علم ہے، نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ اسلام کے پاس ایک قانونِ تحدید بھی ہے اور دولت کا احمقانہ یا مفسدانہ یا مفادِ عامہ کے خلاف استعمال کرنے والے سفہا کے لیے قانونِ حجر بھی ہے۔

پھر آپ نے لڑکیوں کو پھانس کر ناشائستہ حالت میں ان کی بلیو فلمیں تیار کرنے کے اسکنڈل کو بھی پچھلے دنوں پڑھا۔ آپ کے ہاں چلتی بسوں اور کاڑیوں پر ڈاکے ہوتے ہیں۔ بنک کٹتے ہیں، بم پھٹتے ہیں، عورتوں کا اغوا برائے فروخت ہوتا ہے اور دولت مندوں، عہدہ داروں اور سیٹھوں یا ان کے بچوں کا اغوا برائے وصولیٔ تاوان۔ آپ لوگ جن کے ہاں تمام دروازوں کو کھولنے کی کنجی رشوت ہے، آپ جن کے مقانوں میں کوئی شخص سنگین سے سنگین جرم کر کے پہنچتا ہے تو اس کے لیے لازماً اوپر سے ایسا جناتی ٹیلیفون آجاتا ہے کہ اس کی ہتھکڑیوں اور حوالات کے دروازوں کے تالے کھل جاتے ہیں۔ آپ کے ہاں عورت بن سنور کر معاشرے میں چلتی پھرتی ہے اور غریب طبقوں کے نوجوانوں میں اکساہٹیں پیدا کرتی ہے، نیز فلمیں، رسائل و اخبارات کی تصویریں، اشتہارات کے ڈیزائن اور ٹیلی وژن کے پروگرام، وڈیو کیسٹیں، بلیو فلمیں اور جنسیت آلود شعر و ادب جب اکساہٹوں کو طوفان و طغیان میں بدل دیتا ہے تو بار بار کی ان روزمرہ اکساہٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عام لوگوں کی قوتِ مزاحمت جواب دے جاتی ہے اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو ضمیروں کے کپشتے روک نہیں سکتے تو پھر جبر و اکراہ کا کوئی گندا واقعہ یہاں اور کوئی وہاں رونما ہوتا ہے۔ یقیناً ایسا کرنے والا مجرم ہے مگر اسے اکساہٹیں دلانے کے بے شمار مجرم بھی تو مجرم ہیں۔ اندریں حالات بیچاری نسوانیت کا ناموس آئے دن لُٹتا رہتا ہے۔ اور اب تو اگر وہ پولیس کے سامنے جائے تو وہاں بھی خیر نہیں۔ اب تو جرائم

باہر سے نکل کر تھانوں میں پناہ لے رہے ہیں۔ اور اگلے دن ایک مجسٹریٹ کا قصہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ جرم کی بلا تو عدالتوں میں بھی پناہ لے سکتی ہے۔

ایک اور نقطۂ نظر سے دیکھیں تو ہم لوگوں کے جسموں اور آنگنوں سے لے کر سڑکوں اور پارکوں تک ہر جگہ گندگی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ وہی قوم ہے جس نے پہلی دفعہ یورپ کو صابن اور غسل سے آشنا کیا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ اس کے کسی بھی گوشۂ زندگی میں صفائی باقی نہیں رہی ہے۔ وہ تجاوزات سے نجات پا نہیں سکتی۔ دوسرے شہریوں (یا حکومت یا کارپوریشن) کی جگہوں یا چیزوں پر بے دھڑک لوگ قبضہ جمائیں گے۔ ان کے گلے سے ہر حرام ایسے مزے سے اتر جاتا ہے جیسے وہ شیرِ مادر ہو۔ شرابی، جواری، زانی، طوائفیں، سود خوار، جعلی پیر اور ان کے طلسمات کا شکار ہونے والی نادان لڑکیاں اور قدیم عورتیں چپے چپے پر۔ بھنگی اور چرسی مجاوروں کی دکانیں مزاروں کی آڑ میں اور ان کے گرد گاہکوں کے ہجوم ہوں کے ہر گھٹیا سے گھٹیا بلکہ مجرمانہ تقاضے کے لیے سجدہ پاشی کے ساتھ اس طرح سوال کرتے ہوئے جیسے سامنے خدا بیٹھا ہو اور ہر فائی قبر یہ دکاندار کو اس خیال سے زیادہ سے زیادہ فیس ادا کرتا ہے کہ کچھ حاجت حضرتِ قبلۂ حاجات کے سامنے ان کا یہ پرسنل سیکرٹری بھی کردے گا۔

کیسی پستیاں ہیں جن میں ہم اتر گئے ہیں اور مسلسل نیچے چلے جا رہے ہیں، نہ خود اوپر اٹھنا چاہتے ہیں، نہ کوئی دوسرا اوپر اٹھانے والا ہے۔ شاعر لذتِ نفس کے لیے غزل سرائیوں میں محو ہے۔ ادب افسانوں میں بڑی بڑی سقیقتیں لاتا ہے، مگر ہمارے گرد پھیلے ہوئے چٹانوں جتنے بڑے انگارے اسے دکھائی نہیں دیتے۔ خطیب ہے سو انتہائی اونچی آواز کے لاؤڈ اسپیکر مسجد میں لگوا کر حاضرین ہوں تو آدھی آدھی رات تک خود تقریر کرتا ہے اور دوسروں سے نعتیں پڑھواتا ہے۔ حاضرین نہ ہوں تو جلوں جلوسوں، تقریروں اور نعتوں کے کیسٹ لگا دیتا ہے۔ آس پاس کے لوگوں کے حالات، ضروریات اور آرام کا کوئی خیال نہیں ہے اور نہ بچارے

کو دکھی انسانیت کے حقیقی مصائب اور بے چینیوں کا علم و احساس ہے۔ ایسی دنیاوی باتیں وہ کبھی نہیں کرتا۔

یہ ہے پاکستان کی ملتِ اسلامیہ جو کہیں جلسوں میں ناچ ناچ کر، کہیں سڑکوں پہ اچھل اچھل کر عراق عراق اور امریکہ امریکہ پکار رہی ہے۔ گویا یہ عراق کے حق میں محوِ جہاد ہے اور امریکہ کو شکست دے رہی ہے۔ کاش کہ اسے اپنے حالِ زار کا علم ہوتا اور یہ سنبھل سکتی۔

یہی حال ایک ایک ملک میں ہمارا ہے۔ حکومتیں اور جماعتیں اور محراب و منبر، اخبارات و مطبوعات اور اشخاص و رجال ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں اور ساری ملت تقسیم ہو گئی ہے۔ کتنی بڑی کامیابی ہے امریکہ اور اس کے حواریوں اور استعماریوں اور صلیبیوں اور صہیونیوں کی کہ ہم ایسے اصول نہیں رکھتے کہ ہم فوراً دو یا تین نکات پر یا پانچ چھ پر جمع ہو کر ڈٹ جاتے۔ اور ترکی سے مراکش، مراکش سے انڈونیشیا، اور انڈونیشیا سے پاکستان، پاکستان سے ایران اور ایران سے عراق اور عراق سے کویت اور سعودی عرب تک ہماری ایک فکر ہوتی اور اس پر مبنی ایک صف بن جاتی۔

لیکن ہماری یہ ملی صفِ اتحاد ٹوٹے مدتیں ہو گئیں، بے شمار شکستوں نے، پھر استعماری طاقتوں کے نفوذ نے، طرح طرح کے مفاد اور اندیشوں نے، ٹوٹ ٹوٹ کر بننے والی سرحدوں نے، مغرب پرستوں اور مخالف مغرب قوتوں کے تصادم نے، جدید لادین اور بے معیار جمہوری سیاست اور اسلامی نظریۂ خلافت و شوریٰ کے ٹکراؤ نے، معاشی ضرورتوں اور احتیاجوں نے، ہمیں مدتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

ع ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

آج تمام مسلم ممالک و اقوام کی اپنی اپنی دیواریں ہیں، اپنے اپنے نظریے اور عقیدے ہیں، اپنے اپنے تعصبات اور تاریخی زخم ہیں۔ روسی اور امریکی استعمار

میں تقسیم ہوجانے کی وجہ سے الگ الگ معیارات ہیں۔ پھر سعودی عرب کے شمال کا ایک لمبا خطّہ ایسا ہے جہاں جا کے آپ اسلام اسلام اور ملّت ملّت پکار کر کتنا بھی اُچھلیں، ایسے ایسے شدید مخالفِ اسلام اور نقیضِ ایمان نظریات کا غلبہ ہے کہ جنگ کی شورا شوری اور جذباتی ہیجانات سے نکل کر اگر کچھ لوگ اس بارے میں ریسرچ کرسکیں کہ دروزی اور نصیری کن معتقدات پر قائم ہیں تو پھر آپ کو اندازہ ہو کہ وحدتِ ملّت کا خواب پورا کرنے کے لیے آج تک کیوں کوئی راہ نہیں نکل سکی۔ پھر آپ اپنی اس شانِ افتراق کے ساتھ کس طرح اُچھل رہے ہیں؟ کس خوشی میں غوغا آرائی کر رہے ہیں؟ جوش و خروش کی طغیانیاں کیا حقیقت رکھتی ہیں؟

ہمارے دشمن ہماری بیماریوں اور کمزوریوں سے خود ہمارے مقابلے میں زیادہ واقف ہیں۔ مزید بھد کرانے کی کیا ضرورت ہے؟

اگر اسلام کی بنیادوں پر صفِ وحدت استوار کرنی ہے (جو شرعاً لازم ہے) تو پھر گستاخی معاف! آپ اس معاملے میں قرنوں سے شکستیں کھا رہے ہیں۔ اور بارہا مسلمانوں کے مونہوں پر مسلمانوں کے طمانچے پڑ چکے ہیں۔ آج بھی یہی حال ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ آیا اسلام بیچ میں مؤثر طور پر دخیل ہوتا ہے یا نہیں؟ ہو تو کیسے ہو جب کہ سو دو سو سال سے آپ کبھی اس کا منہ نوچتے ہیں، کبھی مسخ و تحریف کرتے ہیں، کبھی اسلام کا نام لینے والوں کو مُلّا مُلّا کہہ کر گالیاں دیتے ہیں۔ کبھی آپ کو اسلام سے زیادہ اہم آپ کے پسندیدہ مختارات اور اجتہادات محسوس ہوتے ہیں۔

تو پہلے اسلام کی بنیادوں پر ملّت کی سچی صفِ وحدت قائم کر لیجیے، پھر کوئی اور بات کیجیے گا۔